Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.106, 2017 pp 21 - 40

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۶

بانگ درا اور بال جبریل کا تقابلی مطالعہ
(فکروفن کے تناظر میں)

ڈاکٹر عبدالستار ملک☆

Abstract:

Allama Muhammad Iqbal was the most prominent poet of the 20th century in the subcontinent. His poetry is blended with old literary traditions as well as contemporary thought. He revolutionized the realm of Urdu Poetry and aroused the spirit of struggle and recognition in the Muslims through his poetry. In this article, a comparison of his two famous poetry books Bang-e-Dara and Bal-e-Jibreel is presented which highlights many shades of his philosophy and art.

بانگِ درا

بانگ درا علامہ اقبال کا اولین مجموعہ کلام ہے۔ یہ مجموعہ علامہ اقبالؒ کی شہرت کا سنگِ بنیاد ہے۔ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی "عوام میں اسی کی بدولت انھیں لازوال شہرت حاصل ہوئی۔(۱) شیخ عبدالقادر دیباچہ بانگِ درا میں لکھتے ہیں:

"یہ دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ اُردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب اشعار کی موجود نہیں، جس میں خیالات کی یہ فراوانی ہو اور اس قدر مطالب و معانی یکجا ہوں اور کیوں نہ ہوں۔ ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے، مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے۔ بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرع ایسا ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھا جاسکتا ہے۔"(۲)

☆ لیکچرار شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

بقولِ غلام رسول مہر ''اس میں ان کے کمالِ فکر کی گوناگوں گلکاریاں دیکھی جاسکتی ہیں اور حسنِ خیال اور دلآویزی بیاں کے ایسے رنگارنگ مرقعے کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتے''۔(۳) فکر و فنِ اقبال کی صحیح تفہیم و تشریح کے لیے ان کے فکری اور فنی ارتقا کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ بانگِ درا اس مقصد کے حصول کا اہم ترین ماخذ ہے۔ اس ضمن میں عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔ ''اس کتاب (بانگِ درا) سے علامہ اقبالؒ کی افتادِ فکر اور ان کی شاعری کے ارتقا کا اندازہ بوجہِ احسن کیا جاسکتا ہے۔،،(۴) ''بقولِ مولانا غلام رسول مہر ''فکرِ اقبال کے ارتقائی مدارج کا مکمل اور جامع اندازہ ''بانگِ درا'' ہی سے ہوسکتا ہے۔''(۵)

اگر چہ ۱۹۲۴ء تک ان کی شہرت اُردو کے سب سے بڑے شاعر کی حیثیت سے پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ لیکن اس وقت تک ان کی جو تین کتابیں (اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، پیامِ مشرق) شائع ہوئیں وہ سب فارسی میں تھیں۔ ہر طرف سے تقاضا ہوا کہ اُردو منظومات کا مجموعہ جلد از جلد چھپنا چاہیے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۲۴ء میں علامہ نے بانگِ درا کے نام سے اُردو نظموں اور غزلوں کا مجموعہ مرتب کیا۔ اس کا دیباچہ سر عبدالقادر نے لکھا جو دس صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔

حصہ اول: آغاز سے لے کر ۱۹۰۵ء تک کے کلام پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم: ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا کلام۔

حصہ سوم: ۱۹۰۸ء کے بعد کا کلام درج ہے۔

اس مجموعے میں دو ہزار سے زیادہ اشعار ہیں۔

ہر حصہ کا آغاز نظموں سے ہوتا ہے اور اختتام غزلوں پر۔ اس کتاب میں اقبالؒ نے مختلف النوع موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ المختصر بانگِ درا ایک عظیم شاعر کا عظیم بچپن (نوآموزی) ہے، جس میں ان کی شاعری کا شباب و فن دونوں جھلکتے نظر آتے ہیں۔ ان کی مشہور ہنگامہ خیز نظمیں شکوہ، جوابِ شکوہ، شمع و شاعر، طلوعِ اسلام اور خضرِ راہ اسی مجموعہ کلام کی زینت بنی ہیں۔

بالِ جبریل

بالِ جبریل علامہ اقبالؒ کی اُردو شاعری کا دوسرا مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں تیرہ سو کے قریب اشعار ہیں۔ بالِ جبریل علامہ مرحوم کی مقبول ترین صنف ہے۔ یہ کتاب بانگِ درا کی اشاعت کے گیارہ سال بعد شائع ہوئی جو فارسی نہ جاننے والے طبقہ کیلئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ بالفاظ یوسف سلیم چشتی:

''اُردو میں علامہ کے قلم سے چار کتابیں نکلیں۔ بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور

ارمغانِ حجاز (حصہ اُردو)۔ان میں بلاشبہ بالِ جبریل، گلِ سر سبد ہے۔"(۶) اس تصنیف میں اقبال کے حسنِ فکر وفن کا شباب وکمال ہے۔ یہاں بلا تامل کہا جا سکتا ہے۔

پیغمبری کردو پیغمبر نتواں گفت

اس کتاب میں غزلیں، نظمیں، قطعات اور رباعیات ہیں۔ یہ کتاب اقبالؒ کی اُردو شاعری کی معراج ہے کیونکہ تمام بلند پایہ اُردو غزلیں اور بعض بہترین نظمیں اس کتاب میں موجود ہیں۔ مثلاً ساقی نامہ، مسجدِ قرطبہ اور ذوق وشوق وغیرہ۔

چونکہ یہ دور اقبالؒ کی فکری وفنی پختگی کا دور ہے، اس لیے اقبال کی تمام فکر جو فارسی تصانیف میں صراحت سے ہے، یہاں اس کو رمزی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ غرضیکہ فارسی کلام کی تمام تعلیمات کا اجمالی خلاصہ بالِ جبریل میں موجود ہے۔ بالِ جبریل کے عنوان کا تقدس ہی اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ پاکیزہ اور بلند تخیل شاعری کا مجموعہ ہے۔ اس میں فلسفہ کم اور شاعری زیادہ ہے۔ یہ کتاب قدیم وجدید شاعری کا حسین امتزاج ہے۔ اس میں تغزل اور تصوف بھی ہے اور فلسفیانہ خیالات اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ بھی۔ اس کتاب میں متعدد شاعرانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً خدا کے ساتھ شاعرانہ شوخیاں، طنز کا رنگ، جامی اور حافظ کے رنگِ غزل کا اتباع، رمز وایمائیت، تنزل وغنائیت، فارسی تراکیب کا خوبصورت استعمال، روانی وسلاست، الفاظ وتراکیب کی شگفتگی وبرجستگی۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ۶۱ غزلیں اور ۳۹ رباعیات ہیں، جبکہ دوسرا حصہ نظموں پر مشتمل ہے، جس کے آخر میں دو قطعات ہیں۔

بانگِ درا کی نظموں کے موضوعات

حصہ اول

بچوں کے لیے لکھی گئی نظمیں: ابتدائی دور میں دوسرے موضوعات کے ساتھ علامہ نے بچوں کو نظر انداز نہیں کیا اور ان کے لیے دلچسپ نظمیں لکھیں مثلاً ایک گائے اور بکری، بچے کی دعا، ہمدردی، ماں کا خواب، پرندے کی فریاد، ایک پرندہ اور جگنو۔

مغربی شعراء سے ماخوذ نظمیں: پیامِ صبح، عشق اور موت، رخصت اے بزمِ جہاں وغیرہ۔

مناظرِ فطرت کی عکاسی: ہمالہ، گلِ رنگین، ابرِ کوہسار، آفتابِ صبح، آفتاب، گلِ پژمردہ، ماہِ نو، انسان اور بزمِ قدرت، موجِ دریا، چاند، جگنو، صبح کا ستارہ، ابر، ایک پرندہ اور جگنو، ایک آرزو وغیرہ۔

وطن پرستی: ہمالہ، ترانۂ ہندی، ہندوستانی بچوں کا گیت، نیا شوالہ، صدائے درد، تصویرِ درد، جذبۂ حب الوطنی

کی عکاس ہیں۔

ذوقِ استفہام اور فلسفیانہ خیالات: خفتگانِ خاک سے استفسار، عقل و دل، دریائے راوی کے کنارے، شمع، ماہِ نو، آفتابِ صبح، انسان اور بزمِ قدرت، چاند، گلِ رنگین، عہدِ طفلی، شاعر، دل، شمع و پروانہ وغیرہ۔

رنگِ تصوف: ایک صوفی منش شخص کے فرزند اور علامہ میر حسن کے شاگرد کی حیثیت سے علامہ کو شروع ہی سے تصوف سے دلچسپی تھی، جس کا اظہار ان کی ابتدائی شاعری میں ہوتا ہے۔ مثلاً شمع، التجائے مسافر، ایک آرزو، گلِ پژمردہ، جگنو، عشق اور موت وغیرہ۔

شخصیات: غالب، آرنلڈ، بلال ؓ، داغ، زہد اور رندی، خود اقبال کی اپنی شخصیت وغیرہ۔

عظمتِ آدم: اقبالؒ انسان کی خداداد صلاحیتوں سے آشنا اور اس کی عظمت و شوکت سے واقف ہے۔ جس کا اظہار ان کی ہر دور کی شاعری میں ملتا ہے۔ بالکل ابتدائی دور میں بھی وہ اس بنیادی حقیقت کو پیش کرنے سے غافل نہیں رہے۔ مثلاً آفتابِ صبح، انسان اور بزمِ قدرت، چاند اور سرگزشتِ آدم میں اس کے بلیغ اشارے موجود ہیں۔

حصہ دوم:۔

تاثراتِ حسن و عشق اور احساسِ تنہائی: اگر اقبال کی قیامِ یورپ کی شاعری پر بحثیت مجموعی نگاہ ڈالیں تو ایک حساس و بے قرار جوان کی تصویر نظر آتی ہے۔ اس دور کی شاعری پر رومانی فضا چھائی ہوئی ہے۔ مثلاً محبت، حسن و عشق، حقیقتِ حسن، پیام، وصال، جلوۂ حسن، سلیمیٰ، تنہائی، فراق، کلی اور ایک شام، ۔۔۔ کی گود میں بلی دیکھ کر وغیرہ اس موضوع کی نمایاں مثالیں ہیں۔

پیغمبرانہ شاعری: دوسرے دور میں شاعری کے نقطۂ نظر میں تبدیلی کے ساتھ پیغمبرانہ شاعری کی جھلکیاں ملتی ہیں مثلاً پیام، طلبہ علی گڑھ کالج کے نام، پیامِ عشق، عبدالقادر کے نام، نژادِ نو کو پیغام۔

فلسفیانہ خیالات و حقائق:۔ چاند اور تارے، کوششِ ناتمام، عشرتِ امروز، انسان، محبت حقیقتِ حسن، اخترِ صبح وغیرہ۔

مناظرِ فطرت کا بیان: محبت، حقیقتِ حسن، پیام، اخترِ صبح، حسن و عشق، کلی چاند اور تارے، کوششِ ناتمام، انسان، ایک شام، تنہائی، فرق، صقلیہ۔

شخصیت: سوامی رام تیرتھ۔

مرثیہ: صقلیہ

حصہ سوم

احیائے ملت سے متعلقہ:۔ بلادِ اسلامیہ، ترانۂ ملی، شکوہ، جوابِ شکوہ، رات اور شاعر، خطاب بہ جوانانِ

اسلام، ہلالِ عید، شمع اور شاعر، خضرِ راہ، طلوعِ اسلام، فاطمہ بنت عبداللہ، مسلم، حضور رسالتمآب میں، نویدِ صبح، مذہب، پھول۔

فلسفیانہ افکار: ستارہ، دو ستارے، موٹر، شاعر، ایک مکالمہ، میں اور تو، پھولوں کی شہزادی، اسیری، کفر و اسلام، شبِ معراج، گورستانِ شاہی، فلسفۂ غم، سیرِ فلک۔

تنقید:

ا۔سیاسی افکار پر تنقید: وطنیت

ب۔مغربی تعلیم و تہذیب پر تنقید: تعلیم اور اس کے نتائج، تہذیب حاضر، مسلمان اور جدید تعلیم، فردوس میں ایک مکالمہ۔

ج۔ہندی مسلمانوں کے احوال و افکار پر تنقید: بعنوانِ قطعہ (شکوہ سے پہلے)، قربِ سلطان اور دریوزۂ خلافت عشقِ رسول ؐ: ایک حاجی مدینے کے راستے پر، شفا خانۂ حجاز، حضور رسالتمآب میں، جوابِ شکوہ۔

شخصیات: رام، غلام قادر روہیلہ، شبلی و حالی، صدیق ؓ، عرفی، نانک، بلال ؓ، شیکسپیئر۔

اقبال دربارۂ خود: عاشقِ ہرجائی، نصیحت، تضمین بر شعر صائب۔

مناظرِ فطرت: اس حصے میں فطرت کا بیان حقائق سے بیشتر پس منظر میں ہوا یا کسی فلسفیانہ فکر کی توضیح کے لیے۔ مثلاً گورستانِ شاہی، چاند، رات اور شاعر، بزمِ انجم، خضرِ راہ، صرف نمودِ صبح میں خالصتاً صبح کا دلکش منظر بیان ہوا ہے۔

نجی (ذاتی نوعیت کی نظمیں): پھول کا تحفہ عطا ہونے پر، ۔۔۔ کی گود میں بلی دیکھ کر، نوائے غم ایک خط کے جواب میں۔

ظریفانہ (قطعات): بانگِ درا کے آخر میں ۲۹ قطعات ہیں۔ جنھیں ظریفانہ کے زیرِ عنوان یکجا کر دیا گیا ہے۔ اقبال کے تمام ناقدین نے ان قطعات پر اکبر الہ آبادی کے اثرات کو محسوس کیا ہے۔

بالِ جبریل کی نظموں کے موضوعات

فلسفیانہ افکار: اقبال کے تمام فلسفیانہ افکار بانگِ درا میں آ چکے تھے۔ لہٰذا اب ان میں سے بھی اہم ترین اجزا ان نظموں کے موضوعات بنے۔ اگرچہ مضامین کا وہ تنوع تو نہیں لیکن فکر و فن کی پختگی اور تسلسل و ارتقا کی رفتار بالِ جبریل کی نظموں میں کچھ زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم مسجدِ قرطبہ اور ساقی نامہ ہیں۔ اسی طرح پروانہ اور جگنو، پیر و مرید، محبت، پرواز، فلسفی، آزادیٔ افکار، چیونٹی اور عقاب وغیرہ۔

متعلقات تاریخ و ادب:۔ دعا، مسجدِ قرطبہ، معتمد کی دعا، عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا درخت، ہسپانیہ، طارق کی دعا

انقلابی افکار: انقلابی افکار ایک سیاسی اصطلاح کے طور پر ان خیالات کو کہا جاسکتا ہے جن میں طبقاتی کشمکش، سرمایہ اور مزدور کے تعلقات، محنت کش طبقہ کے استحصال پر نقد و تبصرہ ہے۔ لینن خدا کے حضور میں، فرشتوں کا گیت، فرمانِ خدا، گدائی اور الارض للہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

تنقید: غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور غیر موافق احوال و افکار آغاز ہی سے اقبال کی تنقید کا ہدف رہے ہیں۔ بالِ جبریل میں اقبال نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے۔ اس دور میں اقبال نے پاپائیت، کلیسائیت، خانقاہی نظام، ملائیت اور بعض دیگر عمرانی کوائف پر شاعرانہ انتقاد کیا ہے۔ مثلاً پنجاب کے پیرزادوں سے، دین و سیاست میں، آزادیٔ افکار، پنجاب کے دہقان سے۔

عشقِ رسولؐ: بالِ جبریل میں اقبال کے عشقِ رسولؐ کا سب سے بڑا مظہر ''ذوق و شوق'' ہے۔

نژادِنو کو پیغام: علامہ اقبال بانگِ درا کے ''دوسرے حصے'' سے ہی جدید تعلیم و تہذیب کے خلاف لکھ رہے تھے۔ تیسرے حصے میں ان کے قلم سے اور زیادہ مربوط انداز میں کہیں سنجیدہ اور کہیں ظریفانہ لہجے میں نظمیں منصۂ شہود پر آئیں۔ ان نظموں کے مندرجات کا ایک مقصد نئی نسل کی تعلیم و تربیت بھی تھا۔ خطاب بہ جوانانِ اسلام اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے۔

بالِ جبریل میں اقبال نے اور زیادہ شدت کے ساتھ نژادِنو کو ان کے اسلاف کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی اور انہیں اسلامی فلسفۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اس سلسلے میں تین نظمیں قابل ذکر ہیں۔ جاوید کے نام (پہلی نظم)، ایک نوجوان کے نام اور جاوید کے نام (دوسری نظم)۔

قوت و حریت اور استیلا: نصیحت، ابوالعلامعریٰ، لہو، شاہین، ماہرِ نفسیات سے، نپولین کے مزار پر اور مسولینی۔

متعلقاتِ آدم: ''فرشتے جنت سے آدم کو رخصت کرتے ہیں'' اس نظم میں اقبال نے آدم کے جنت سے بڑے وقار اور اعزاز کے ساتھ رخصت ہونے کا منظر پیش کر کے گویا شرفِ انسانی کا ترانہ سنایا ہے۔ ڈاکٹر صدیق جاوید کے الفاظ میں ''یہاں فرشتے جنت سے آدم کو رخصت کرتے ہوئے جو الوداعی سپاسنامہ پیش کرتے ہیں۔ اس میں آدم کی تمام صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا ہے اور اس کی خلقی قوتوں کی داد دی گئی ہے جن کے طفیل وہ کائنات کے پوشیدہ امکانات کا انکشاف کرے گا''۔(۷)

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے ممکن تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی
تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

''روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے۔'' عظمتِ انسانی کا گراں مایہ گیت ہے۔ روحِ ارضی آدم کو گہرے مشاہدے کی تلقین کرتی ہے۔ اسے اس کی صلاحیتوں کا احساس دلاتی ہے۔ اس کی قوتِ تسخیر،

کوششِ پیہم اور محبت کا اعتراف کرتی ہے۔ یہاں تک کہ رضائے آدم کو راکبِ تقدیرِ جہاں قرار دیتی ہے۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ　　مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں　　یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں

اُردو نظم کی تاریخ میں اس نظم کے علاوہ روحِ ارضی کی زبانی شرفِ انسانی کے اعتراف کا ایسا شاہکار گیت کہیں نظر نہیں آتا۔ ان دونوں نظموں سے تخلیقِ آدم کا مقصد خدا کی بنائی ہوئی کائنات کی آدم کے ہاتھوں ازسرِنو تعمیر و تشکیل ہے۔

متعلقاتِ ابلیس: اقبال نے ابلیس کے فاعلانہ خصوصیات کی تعریف میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح　　تو فقط! اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو!

بانگِ درا اور بالِ جبریل کی نظموں کا تقابل (فکری ارتقا کے تناظر میں)

- اگر بانگِ درا اور بالِ جبریل کو سامنے رکھ کر بحیثیتِ مجموعی اقبالؒ کے فکری ارتقا کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بالِ جبریل میں اقبال کی نظمیں پچھلے دور کی نسبت فکری لحاظ سے زیادہ کامیاب اور توانا ہیں۔ پچھلے دور کی سب سے کامیاب نظم ''خضرِ راہ'' تھی لیکن اس دور میں ''ساقی نامہ'' اس سے بہتر اور ''مسجدِ قرطبہ'' بہترین فکری شاہکار قرار پاتی ہیں۔ ان میں اقبال کے فکر کے اہم عناصر بڑی خوبی سے بیان ہوئے ہیں مثلاً خودی، عقل و عشق، زمان و مکاں، حرکت و عمل، موت و حیات، مردِ مومن، قوت، استغنا، مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ معاشرتی خرابیوں اور تصوف کی عجمی پہلوؤں پر تنقید وغیرہ۔
- نئی نسل سے خطاب علامہ نے بانگِ درا میں بھی کیا تھا لیکن بال جبریل کی نظموں جاوید کے نام اور ایک نوجوان کے نام فکری فضا وسیع بسیط کی حامل ہے۔ اس دور میں نوجوان سے یہ خطاب اقبال کی اس رجائیت کو ظاہر کرتا ہے جو وہ ملتِ اسلامیہ کے مستقبل کے حوالے سے نژادِ نو سے رکھتے تھے۔
- بالِ جبریل میں تاریخ و ادب کے بعض عناصر پر پہلی مرتبہ نظمیں ملتی ہیں۔ معتمد کی دعا اور طارق کی دعا اُردو شاعری میں نئے تجربے ہیں۔ اقبال نے ان دعاؤں کو تاریخی شخصیات سے منسوب کر کے ان کی تاثیر میں اضافہ کر دیا ہے۔ البتہ جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے، بانگِ درا کی نظموں کی طرح اقبال نے بالِ جبریل کی بعض نظموں میں بھی اصل نظم کی محض روح کو پیش کیا ہے۔ وہ لفظی ترجمے کے قائل نہیں۔ ''عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمین اندلس میں'' ترجمے کے اسی انداز کی حامل ہے۔ یہ درخت اقبال نے بالِ جبریل میں زندہ کر دیا ہے۔
- نعتیہ اشعار بانگِ درا کی نظموں میں بکھرے پڑے ہیں لیکن بالِ جبریل میں پوری نظم

''ذوق وشوق'' حضورؐ کی نعت شریف ہے۔

- اقبالؒ کے انقلابی افکار کا اظہار ''خضرِ راہ'' سے ہوا تھا۔ بالِ جبریل میں پہلی بار پوری باقاعدہ نظمیں اس موضوع پر ملتی ہیں۔مثلاً لینن (خدا کے حضور میں) فرمانِ خدا، فرشتوں کا گیت، گدائی، الارض للہ۔
- انسانی شرف ومنزلت کے ترانے بانگِ درا کی نظموں میں بھی ملتے ہیں لیکن اس دور میں حضرت آدم کے جنت سے زمین پر اترنے کے واقعہ کی کمال علمی توجیہہ پیش کی ہے۔روحِ ارضی نے جس طرح آدم کا استقبال کر کے اپنی تسخیر کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں تھمادی ہیں، یہ ایک نئی فکری جہت ہے۔اس طرح ابلیس کی فاعلانہ حرکت، جہدِ مسلسل اور سوزِ فراق کے پہلو پہلی بار اُردو نظموں میں اس حسن وخوبی سے بیان ہوئے ہیں۔
- بانگِ درا کے ابتدائی دور میں وطنیت تھی۔وطن پرستی کا جذبہ غالب تھا جو تیسرے دور تک پہنچتے پہنچتے ملت پرستی تک پہنچ گیا۔لیکن بالِ جبریل کا مرحلہ اس سے بلند تر ہے۔یہاں وہ ملت کے عظیم آفاقی پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں۔مسجد قرطبہ اس کی روشن ترین مثال ہے۔
- بانگِ درا کے ابتدائی دور میں مناظرِ فطرت کی براہِ راست عکاسی ہے۔جوں جوں آگے بڑھتے ہیں مناظرِ فطرت میں زندگی کے حقائق کا کھوج لگانے کی سعی بڑھ جاتی ہے۔لیکن بالِ جبریل میں شاعر ان حدود سے آگے نکل چکا ہے۔اب اس کا موضوع براہِ راست زندگی کے اساسی حقائق ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ''اقبال کی فطرت نگاری'' کے عنوان سے بہت جامع بحث کی ہے۔لکھتے ہیں:

> اقبال کی فطرت نگاری، فطرت پرستی کے مترادف نہیں، وہ حسنِ فطرت کو انسان اور انسانیت سے متعلق بصیرتوں کے ادراک کا ذریعہ بناتے ہیں۔اقبال کے کلام میں خالص فطرت پرستی کا میلان اگر کہیں ہے بھی تو ان کی شاعری کے ابتدائی دور میں ہے، جس میں وہ مغرب کے فطرت پرست شعرا کے زیرِ اثر مناظر ومظاہرِ خارجی کی مصوری بھی کرتے ہیں اور ان کی حالی کیفیتوں کو بیان بھی کرتے ہیں مگر اس دور میں بھی اقبال فطرت کے پرستار معلوم نہیں ہوتے بلکہ ان کا ذہن حسنِ فطرت سے مسرت اندوزی کے ساتھ ساتھ کائنات کے اسرار ورموز کے انکشاف اور ان کی جستجو کی طرف مائل ہوجاتا ہے یعنی وہ فطرت اور اس کے متعلقات کے ضمن میں انسان اور اس کی تقدیر پر غور کرنے لگ جاتے ہیں (۸)۔

- بانگِ درا کے ابتدائی دور میں فلسفیانہ جستجو، تذبذب اور کشمکش تھی۔وہ اضطراب دوسرے دور میں کم ہوا اور تیسرے دور میں ختم ہوگیا لیکن اس دور (بالِ جبریل) میں فلسفہ وفن کا حسین امتزاج اپنی کلی

معراج پر ہے۔اب شاعر کو صرف اپنے فکروفن پر اعتماد ہی نہیں بلکہ وہ اس پر نازاں ہے۔اس کا بین ثبوت اس دور کی متعدد فارسی تصانیف میں ملتا ہے۔

- اس میں شک نہیں کہ بانگِ درا کی نظمیں مضامین کے تنوع اور تعداد کے لحاظ سے بالِ جبریل کی نظموں سے زیادہ ہیں لیکن فکری ارتقا، ترتیب وتوازن اور نظریاتی پیشکش کے لحاظ سے بالِ جبریل کی نظمیں ان سے آگے ہیں۔

بانگِ درااور بالِ جبریل کی نظموں کا تقابل (فنی نقطہ نظر سے)

- بالِ جبریل کا کلام بانگِ درا کی نسبت فنی لحاظ سے عروج پر نظر آتا ہے۔مسجدِ قرطبہ، ساقی نامہ اور ذوق وشوق جیسی نظمیں اس کی روشن مثالیں ہیں۔
- فنی نقطہ نظر سے بالِ جبریل کی نظموں پر فارسیت کا غلبہ نسبتاً زیادہ ہے۔بانگِ درا کے پہلے حصہ میں مرزا غالب کے فنی اثرات کے تحت خصوصاً اور باقی دونوں حصوں میں بھی فارسی اپنی بہار دکھاتی ہے،لیکن بالِ جبریل کی اُردو نظموں کی فارسیت اقبال کی فارسی شعری تصانیف زبورِعجم، جاوید نامہ اور مسافر کی فنی پختگی کا نتیجہ ہے۔اس کا بڑا ثبوت اس دور کی تازہ، باثروت اور بامعنی تراکیب ہیں، جن سے اقبال کی الفاظ سازی اور زبان پر گرفت ظاہر ہوتی ہے۔چند تراکیب بطورِنمونہ پیش ہیں۔ مطلوب ومقصودِ مومن، نعرۂ لاتذر (طارق کی دعا)، پیراہنِ خرابات (لینن) بندگیِ ہوس (فرشتوں کا گیت)، سلطانیِ جمہور، خوشۂ گندم، آدابِ جنوں (فرمانِ خدا)، استغنائے سلیمانی، قصرِ سلطانی (ایک نوجوان کے نام)، لذتِ یکتائی، سرمستی ورعنائی (لالۂ صحرا) ساکنانِ دشت وصحرا (شیر اور خچر)۔ان تراکیب میں عالمانہ شان جلوہ گر ہے۔کہیں بھی فنی ناہمواری محسوس نہیں ہوتی۔
- بانگِ درا کی نسبت بالِ جبریل کی نظموں کی ایک اہم خوبی رنگِ تغزل ہے۔ذوق وشوق، لالۂ صحرا، ساقی نامہ، جبریل وابلیس، جاوید کے نام وغیرہ میں یہ رنگ نسبتاً زیادہ نمایاں ہے۔
- بانگِ درا کی طرح اقبال نے محاکات اور شاعرانہ تصویر کاری کے نہایت عمدہ نمونے بالِ جبریل کی نظموں میں بھی پیش کیے ہیں جو فنی پختگی وبلندی کے نادر نمونے ہیں۔مثلاً

رعنائی تعمیر میں ، رونق میں، صفا میں گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارت

(زمانہ)

کہیں سجادہ و عمامہ رہزن کہیں ترسا بچوں کی چشمِ بیباک

(تاتاری کا خواب)

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
(شاہین)

موسیقیت اور نغمگی کی بھی بانگِ درا کی نسبت بالِ جبریل کی نظموں میں فراوانی ہے۔ رنگِ استدالیت بھی دلکش و موثر ہے۔

- بالِ جبریل کی نظموں کی ایک اہم خوبی عنوان اور نظم کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ نظم ''زمانہ'' اس کی بہترین مثال ہے۔ بانگِ درا کی تضمینات کے انداز کی بالِ جبریل میں محض آٹھ تضمینیں ہیں۔ اس کمی کی تلافی ایک اور انداز سے کی گئی ہے۔ اس انداز کی اولیت کا سہرا بھی علامہ اقبالؒ کے سر ہے۔ اس منفرد، بھرپور اور مؤثر تضمین نگاری کی اہم ترین مثال ''پیرومرید'' ہے۔ جہاں محض مسلسل تضمین سے ایک شاندار نظم کی تشکیل کا سامان کیا گیا ہے۔ اُردو نظم نگاری کی تاریخ میں یہ پہلا کامیاب تجربہ ہے۔ ذوق وشوق میں تضمین کا شعر نظم سے پہلے درج ہے اور باقی نظم کے ساتھ معنوی ربط رکھتا ہے۔ بالِ جبریل میں اقبال نے ایک جگہ زبورِ عجم کے اپنے ہی شعر کو تضمین کے طور پر استعمال کیا ہے (ذوق وشوق)۔ اس دور کی نظموں میں تضمین نگاری کا یہ کمال نظر آتا ہے کہ اب باقی نظم کے موضوع کے ساتھ تضمین کے شعر کا رشتہ کچھ اور استوار ہو گیا ہے۔ فلسفہ و مذہب اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ ''نپولین کے مزار پر'' کے آخر میں جو تضمین نظر آتی ہے وہ پچھلے دور میں نظم ''نصیحت'' میں بھی نظر آ چکی تھی۔ لیکن یہاں اس کی موضوع کے ساتھ ہم آہنگی زیادہ بڑھ گئی ہے جو فنی پختگی کا بین ثبوت ہے۔
- بالِ جبریل میں شعری ہیئتوں کے حوالے سے قطعہ ۲۷، قصیدہ ۱۷، مثنوی ۷، ترکیب بند ۴، مخمس ایک جبکہ چار نظموں میں ہیئتی تجربے کیے گئے۔ اس دور کی نظم ''فقر'' ہیئتی تجربے کے حوالے سے خصوصاً قابل ذکر ہے، جس کے چھ کے چھ مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ مکالمہ و دیگر ڈرامائی عناصر بالِ جبریل کی نظموں کی جان ہیں۔ پیرومرید، جبریل و ابلیس، شیر اور خچر محض مکالمے نہیں بلکہ مختصر ڈرامے ہیں۔ پیرومرید دو زبانوں کی ہم آہنگی کا بھی ایک نادر تجربہ ہے۔ بالِ جبریل میں چھوٹے چھوٹے قطعات پر عنوان قائم کر کے انھیں باقاعدہ نظموں کی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ تجربہ بالخصوص اس لیے اہمیت رکھتا ہے کہ ضربِ کلیم کے کثیر حصے کی بنیاد یہی تجربہ بنا ہے۔
- بقول حسن اختر ملک ''بالِ جبریل کی نظموں کا سب سے بڑا فنی کارنامہ یہ ہے کہ علامہ کو اب فن کے دیوتا پر قابو حاصل ہو گیا ہے اور اب وہ جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں (۹)۔'' اقبال کا فن بالِ جبریل کے دور میں اس قدر پختہ و مکمل ہو چکا ہے کہ اب وہ اپنے فلسفیانہ عناصرِ شعر مثلاً

لالہ، شاہین، خودی، فقر، زمانہ وغیرہ پر براہ راست لیکن تمثیلی نظمیں لکھ رہے ہیں۔ بانگِ درا کی نظموں کی نسبت اس دور کی نظمیں بہت کم خارجی محرکات رکھتی ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی کے الفاظ میں ''گزشتہ ادوار میں ان کی پر جوش اور طویل نظموں کے ۔۔۔ خاص خاص محرکات تھے لیکن اس دور میں کوئی پر جوش خارجی محرک ان کے سامنے نہیں تھا۔ صرف ایک خودی کا فلسفہ تھا جس کے نشہ میں وہ سرشار اور بے خود تھے۔''(۱۰)

- پروفیسر جابر علی سید نے بانگِ درا اور بالِ جبریل کی نظموں کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے:

اقبال کے موضوعات کا زبردست تنوع ''بانگِ درا'' میں ہے۔ اس اعتبار سے یہ بالِ جبریل پر برتری رکھتی ہے۔ بانگِ درا کی دنیا بہت وسیع ہے اور ایک طویل احساساتی عمر کا حامل ہے۔ یعنی کم و بیش تیس سال کو محیط ہے اور ایک حساس اور پر جوش نوجوان شاعر کا کینوس کتنا وسیع ہوسکتا ہے۔ اس کا اندازہ بانگِ درا کی پھیلی ہوئی دنیا سے ہوسکتا ہے۔ بانگِ درا ایک بہت بڑا شہر ہے جس کے مختلف اور متعدد حلقے اپنی الگ دنیا رکھتے ہیں۔ بالِ جبریل میں بانگِ درا کے تنوع کی بجائے نظم کا ارتقا زیادہ جاذبِ توجہ ہے۔(۱۱)

- خضرِ راہ تک پہنچتے ہوئے اقبال کو احساس ہوگیا تھا کہ اس کا فکر و فن تکمیل کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ بالِ جبریل میں اقبال مکمل طور پر خود کو دریافت کر چکے ہیں۔ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ سید عابد علی عابد کے الفاظ میں ''بالِ جبریل میں اقبال خود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کاملاً دریافت کر چکے ہیں وہ کہتے ہیں۔(۱۲)

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں　　　بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہین زیرِ دام آیا

عبدالمجید سالک کے نزدیک ''بالِ جبریل'' علامہ اقبال کی اُردو شاعری کی معراج ہے۔''(۱۳) پروفیسر سید وقار عظیم کے نزدیک ''فکر، تخیل اور اظہار میں پوری ہم آہنگی اور رچاؤ نے بالِ جبریل کے مجموعی انداز میں رفعت اور لطافت کا ایسا امتزاج پیدا کیا ہے جو اس سے پہلے اقبال کی شاعری میں موجود نہیں تھا۔''(۱۴) ڈاکٹر صدیق جاوید کے مطابق ''بالِ جبریل کی نظمیں بانگِ درا کی نظموں کے مقابلے میں فکر اور جذبے کی ہم آہنگی کی کامیاب مثال ہیں۔ بانگِ درا کی نظمیں فنی رچاؤ کے نقطہ نظر سے بالِ جبریل کی نظموں کے درجے تک نہیں پہنچ پاتیں۔''(۱۵) محمد طاہر فاروقی کے نزدیک ''بعض کم علم اور کور ذوق حضرات کی ظاہری نگاہیں بالِ جبریل کے دقائق و حقائق تک نہ پہنچیں تو انہوں نے اس کو بانگِ درا سے پست تر تصنیف قرار دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ادب اُردو میں اس تصنیف نے ان جواہر پاروں کا اضافہ کیا ہے جن سے دامنِ اُردو ابھی تک تہی تھا۔''(۱۶)

بانگِ درااور بالِ جبریل کی غزلیات کا تقابل (مشترک عنوانات کے تناظر میں)

تصوف:

بانگِ درا(پہلا دور):

تصوف کو اقبال کی غزل نے ابتدا ہی میں اپنے دامن میں سمولیا لیکن ابتدائی غزلوں میں جو تصوف ہے وہ متداول قسم کا ہے۔ مثلاً ابتدائی دور کی یہ غزلیں:۔

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں مینوں میں — وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی — ہو دیکھنا تو دیدۂ دل واکرے کوئی

ابتدا ہی سے اقبال کے ہاں وحدت الوجود کا نظریہ واضح ہو جاتا ہے۔

دوسرادور:

دوسرے دور میں اگر چہ تصوف کا نظریہ وحدت الوجود ہی ان کے فکر کا محور رہا لیکن اب ان کے متصوفیانہ خیالات و جذبات میں گہری معنویت اور اسلوبِ بیان میں جدت و تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً

رازِ ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو — کھل گیا جس دم، تو محرم کے سوا کچھ نہیں

بالِ جبریل: تصوف شروع ہی سے اقبال کی اُردو غزل کا اہم موضوع رہا ہے لیکن بالِ جبریل میں اقبال نے اس کی جو تشریح و توضیح کی ہے، وہ بانگِ درا کی غزل میں نہیں ہے۔ بالِ جبریل میں انہوں نے عجمی تصوف سے اختلاف کیا ہے، اور اسلامی تصوف کی مداح کی ہے۔ ان کے نزدیک عجمی تصوف ذوقِ عمل سے محروم کر دیتا ہے اور رہبانیت سکھاتا ہے۔

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے — فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی — رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی — ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے
رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی — فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

خالص اسلامی تصوف کی مدح دیکھئے:

تو بیکراں، میں ذرا سی آب جو — یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو — میں ہوں خزف تو مجھے گوہر شاہوار کر
اپنے رزاق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک — اور پہچانے تو ہیں گدا دار اوجم

تصورِ عقل و عشق:

پہلا دور (بانگِ درا): روایتی انداز ملتا ہے۔ مثلاً

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑے جاتے ہیں — مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

تاہم اعلیٰ و ارفع تصور بھی کہیں مل جاتا ہے۔

عشق نے مٹی کو مسجودِ ملائک کر دیا — ورنہ انسان اور فرشتے سر جھکانے کے لیے

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ — کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

بانگِ درا (تیسرا دور):۔ اس دور میں عقل و عشق کے مسئلے پر وضاحت سے اظہارِ خیال ملتا ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل — عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بالِ جبریل: یہاں سید عابد علی عابد کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''اقبال نے عشق کا پیراہنِ حریر اتنے رنگا رنگ تاروں سے سجایا ہے کہ اس کلمہ کی کوئی جامع و مانع تعریف ممکن نہیں۔'' (۱۷)

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم — عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی — کھلتے ہیں غلاموں پہ اسرارِ شہنشاہی

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی — نہ ہو عشق تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام — اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

مقامِ عقل سے آساں گزر گیا اقبال — مقامِ شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

ڈاکٹر سید عبداللہ کا کہنا ہے کہ ''اقبال نے عشق کے مقابلے میں عقل کی تنقیص اس وجہ سے کی ہے کہ اس سے خودی ضعیف ہوتی ہے اور ذوقِ یقین نہیں پیدا ہو سکتا جو محض عشق کا خاصہ ہے۔ تاہم اقبال عقل و خرد کے مخالف نہیں بلکہ اس کی افادیت کا اقرار کرتے ہیں۔'' (۱۸)

فطرت کو خرد کے روبرو کر — تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر

خرد نے مجھ کو عطا کی نظرِ حکیمانہ — سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ

عشقِ رسولؐ:

عشقِ رسولؐ علامہ اقبال کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جس کا اظہار ابتدا سے آخر تک ان کے کلام، نظم و غزل میں ہوتا ہے۔ لیکن فکر و فن مختلف ارتقائی مدارج طے کر کے عروج پر پہنچتا ہے۔

بانگِ درا (پہلا دور):

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال اڑا کے مجھ کو غبارِ رہ حجاز کرے

دوسرا دور

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

تیسرا دور

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا، دنیا بھی گئی

بالِ جبریل

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول ، وہی آخر وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں!
تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زناری

خودی کا تصور

بانگِ درا کی تینوں ادوار کی غزلیات کو دیکھا جائے تو خودی کے متعلق کوئی واضح پیغام نہیں۔ تاہم بالِ جبریل میں اس موضوع پر بہت جامعیت سے اظہار خیال کیا ہے۔ مثلاً:

یہ پیام دی گئی ہے مجھے بادِ صبحگاہی کہ خودی کے عارفوں کا مقام پادشاہی
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے
خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل!
خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ

مردِ مومن کا تصور

بانگِ درا: بانگِ درا کی غزلیات میں مردِ مومن پر بحث نہیں ملتی۔ صرف تیسرے دور میں چند اشعار میں کوئی ہلکے سے اشارے ملتے ہیں مثلاً:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں
نہ خدا رہا نہ صنم رہے، نہ رقیب دیر و حرم رہے نہ رہی کہیں اسد اللٰہی، نہ کہیں ابولہبی رہی

بالِ جبریل: بالِ جبریل کی غزلوں میں مردِ مومن کی منجملہ صفات کا احاطہ کیا ہے۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

عظمتِ بشر

بانگِ درا (پہلا دور):۔

وہ مشت خاک ہوں فیضِ پریشانی سے صحرا ہوں — نہ پوچھ میری وسعت کی، زمیں سے آسماں تک ہے

دوسرا دور

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

تیسرا دور

کب تلک طور پر در یوزہ گری مثلِ کلیم! — اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

بقول ڈاکٹر سعد اللہ کلیم ''اس دور تک علامہ کا تصورِ عظمتِ بشر خودی سے آگے بڑھ کر بے خودی تک آ پہنچا ہے۔''(۱۹)

بالِ جبریل: بالِ جبریل کی غزل ہو یا نظم اقبال اس انداز سے عظمتِ بشری اور شرفِ انسانی کا نغمہ الاپتے ہیں کہ یہ آدمِ خاکی نوریوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے مولا صفات بن جاتا ہے اور یہ کائنات، یہ زمین و آسماں اس کے ایک اشارے کے منتظر نظر آتے ہیں۔ پہلی غزل کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے:

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں — غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں — میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

اس سے آگے بھی عظمتِ آدم کا ترانہ اسی دھن پہ گایا جا رہا ہے:

قصور وار، غریب الدیار ہوں لیکن — ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد!
عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے
متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی — مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی
نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی — کہ تن آسان عرشیوں کو ذکر و فکر و تسبیح اولیٰ

اے۔ ایم خالد کا کہنا ہے کہ ''اقبال کا یہ انسان اپنی عظمت پر اتنا نازاں ہے کہ جبریل و ابلیس اور فرشتے تو ایک طرف خود خدا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی ہمت کا احساس دلاتا ہے۔''(۲۰)

خدا سے ہم کلامی:۔

بانگِ درا کے دوسرے دور میں ایک غزل میں خدا سے مخاطبت کا انداز ملتا ہے۔

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں جھلک تیری ہویدا، چاند میں، سورج میں، تارے میں

تیسرے دور میں

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

لیکن ''بالِ جبریل'' میں خدا سے ہم کلامی کا انداز اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ بالِ جبریل میں آدم اپنی مجملہ صفات سے آگاہ اور آشنا ہو کر پوری خود اعتمادی سے ربِ کائنات سے ہم کلام ہے۔ خالقِ کائنات سے اس اعتماد اور خودداری سے مخاطب ہونے کا انداز اُردو شاعری میں کم ہی ملے گا۔

تو نے کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا میں ہی تو اک راز تھا سینہ کائنات میں
لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی
ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی
وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی میرے کام کچھ نہ آیا، یہ کمالِ نے نوازی

استفہامیہ انداز

بانگِ درا (دوسرا دور)

کہاں کا آنا، کہاں کا جانا، فریب ہے امتیازِ عقبیٰ نمود ہر شے میں ہے ہماری، کہیں ہمارا وطن نہیں ہے

بانگِ درا (تیسرا دور)

نکلی تو لبِ اقبال سے ہے، کیا جانیے کس کی ہے یہ صدا! پیغامِ سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی

المختصر بانگِ درا میں استفہام کا دائرہ وسیع نہیں۔

بالِ جبریل: یہاں یہ فن عروج پر نظر آتا ہے۔ یہاں اقبال نے خود خدا کو طالب بنا دیا ہے اور بے نیازی سے سوال کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر عبدالغنی ''یہ بڑا مشکل استفہام ہے اور اسی استفہامیہ انداز میں شاعری اور تنزل کا سارا حسن واثر مضمر ہے۔''(۲۱)

اگر کج رو ہیں انجم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟ مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟
باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟ کارِ جہاں دراز ہے، اب مرا انتظار کر!
میں کہاں ہوں تو کہاں ہے! یہ مکاں کہ لامکاں ہے؟ یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی!
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی؟

مغرب شکنی: اقبال ابتدائی دور ہی سے مغرب کی تہذیب اور نظریۂ حیات پر مخالفانہ مگر حکیمانہ تنقید کرتا ہے۔

بانگِ درا (حصہ دوم):

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

حصہ سوم

تیرے پیانوں کا ہے یہ اے مۓ مغرب اثر   خندہ زن ساقی ہے، ساری انجمن بے ہوش ہے
ہو تیری خاک کے ہر ذرے سے تعمیرِ حرم   دل کو بیگانۂ اندازِ کلیسائی کر

بالِ جبریل: بالِ جبریل میں وہ شاعری کے تمام لوازم سے مسلح ہو کر مغربی تہذیب پر حملہ آور ہوتے ہیں:

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں   کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل
ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام   وائے تمنائے خام ، وائے تمنائے خام
اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں   تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے !

گلِ لالہ کا تصور:

بانگِ درا (پہلا دور): ابتدا میں لالہ کی علامت کوئی خاص معنی نہیں لیے ہوئے ہے بلکہ اس کا تذکرہ رسمی ہی ہے۔

تمیزِ لالہ و گل سے ہے نالۂ بلبل   جہاں میں وانہ کوئی چشمِ امتیاز کرے

دوسرا دور: یہاں صرف ایک مرتبہ ہی لالہ کا ذکر آیا ہے۔ مارچ ۱۹۰۷ء کی غزل:

تمیزِ لالہ و گل سے ہے نالۂ بلبل   جہاں میں وانہ کوئی چشمِ امتیاز کرے
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو   یہ جانتا ہے اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

یہاں اقبال کا دھیان ابھی تک اس علامتی اہمیت میں الجھا ہوا ہے جو اُردو کی قدیم روایت کا جزو ہے۔ بقول سید عابد علی عابد ''لالہ اس وقت تک جگر سوختگانِ عشق کی اور شہیدانِ محبت کی علامت ہے لیکن نامکمل اور ناقص ہے۔ اس کا دل سوختہ دکھاوا ہے۔'' (۲۲)

بالِ جبریل: بالِ جبریل اقبال کی اُردو غزل کا نقطۂ عروج ہے۔ لہٰذا اب ان کی علامات بھی مفاہیم متعین کر چکی ہیں۔ مثلاً اسلام کو دینِ فطرت ثابت کرنے کے لیے:

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو   کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لیے:

نہ مے، نہ شعر، نہ ساقی، نہ شورِ چنگ و رباب   سکوتِ کوہ و لبِ جو و لالہ خودرو

فرنگ پر تنقید کے لیے:

تو برگِ گیاہے نہ دہی اہلِ خرد را   او کشتِ گل و لالہ بہ بخشد بہ خرے چند

بالِ جبریل میں لالہ کا تصور بلند تر ہے۔ بقول سید عابد علی عابد ''اقبال کو لالہ سے جو محبت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ خاموش ہے، سرمست و رعنا ہے، خودرو ہے، بیاباں کی ہوا اسے راس آتی ہے اور یہی

مشابہتیں امتِ محمدی میں بھی ہیں۔'' (۲۳)

بانگِ درا اور بالِ جبریل کی غزلوں کا مجموعی جائزہ (فکری وفنی ارتقا کے تناظر میں)

بانگِ درا کے تینوں ادوار کی غزلیات کا اگر مجموعی اجمالی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس طرح بتدریج اقبال کی فکر کا ارتقا ہوتا رہا، اسی طرح ان کی غزلیات کے مضامین اور اسلوب میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ بانگِ درا کی شاعری میں کہیں داغ کا سادہ و پرکار اسلوب اور زبان کا چٹخارہ ہے تو کہیں غالب کا حکیمانہ اور مشکل پسند اسلوب جو بتدریج ترقی کرتے کرتے ایک خاص نہج پر پہنچ گیا ہے، جس کی جھلک بانگِ درا کے تیسرے دور میں ملتی ہے۔ جس میں نہ تو غرابت انگیز فارسیت ہے اور نہ سادہ و سلیس اُردو۔ سید وقار عظیم کے مطابق ''اقبال کے فارسی اسلوب میں اب پڑھنے والوں کو غرابت اور بیگانگی کی کھٹک کم تر محسوس ہوتی ہے۔ شاعر کی خود اعتمادی نے اب غزل کے مزاج کو اس کے اسلوب سے مانوس کر دیا ہے۔'' (۲۴) یہ اقبال کا وہ منفرد اسلوبِ بیاں ہے جو بالِ جبریل میں اپنی پوری تخلیقی قوت اور بھرپور فکری توانائی کے ساتھ موجود ہے۔

اقبال کی بہترین غزلیں بالِ جبریل میں ہیں۔ اقبال کی یہ تصنیف غزلوں کے اعتبار سے بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی نظموں کے اعتبار سے۔ اس دور میں ان کی شاعرانہ شخصیت ارتقا کے آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ ان کا فکر و فلسفہ تمام ارتقائی مراحل طے کر کے منزل پا چکا تھا۔ اقبال فکری اور فنی اعتبار سے اس مقام پر تھے کہ ان کی پرشوکت اور پریقین آواز سے حریمِ ذات میں بھی شور پیدا ہو رہا تھا۔ ان کا تندرست و توانا لہجہ اور پراعتماد انداز دلوں کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا۔ یہاں اقبال فی الواقع ایک انجمن کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں، جس میں ان کی شخصیت کے مختلف عناصر مکمل طور پر ہم آہنگ ہو چکے ہیں۔ اب فلسفی کی عقل، شاعر کا تخیل، مومن کا عشق اور ایک فن کار کا اندازِ بیاں کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہو چکے ہیں۔

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی!   دیا ہے میں نے انھیں ذوقِ آتش آشامی

خلاصۂ کلام

- بانگِ درا میں زیادہ تر علامہ اقبال کا ابتدائی دور کا کلام ہے۔ یہاں یہ ایک نو آموز شاعر فکری و فنی اعتبار سے ارتقا کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ ابھی وہ فن کے لحاظ سے پختگی کی منزل تک نہیں پہنچا جبکہ بالِ جبریل بانگِ درا کی اشاعت کے گیارہ سال بعد صفحۂ قرطاس پر ظہور پذیر ہوئی۔ اس وقت اقبال کا فکر و فن ترقی اور بلندی کی انتہائی منازل کو چھو رہا تھا۔
- بانگِ درا اور بالِ جبریل میں فکر و فن کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔ اب جوش و ولولہ کی جگہ متانت اور سنجیدگی نے اور شعلہ ریزیوں کی جگہ متوازی و متوازن ضیا باریوں نے لے لی ہے۔ شمع و شاعر یا

طلوعِ اسلام میں شاعر کا قلم ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا لیکن اب آشوب اور طوفان کی جگہ ہلکا سا سکوت ہے جو بجائے خود جہانِ معنی دارد۔ وہ تخیل جو پہلے فضاؤں میں محو پرواز تھا، وہ الفاظ میں رقص کر رہا ہے۔ اب قدم ڈگمگاتے نہیں بلکہ چال میں انتہائی وقار اور رعب آ گیا ہے۔ الفاظ و تراکیب کے انتخاب میں بھی ناپختگی اور جھول کی بجائے لطافت اور خوش سلیقگی آ گئی ہے۔ اب زبان انتہائی شائستہ اور الفاظ نگینے میں جڑے ہوئے ہیروں کی طرح ہیں، جن کا بدل لانا مشکل ہے۔

- اقبالؒ نے بانگِ درا میں بھی غزل سے نظم کا کام لیا ہے لیکن بالِ جبریل میں غزل قومی ترانہ معلوم ہوتی ہے اور یہ صنف حالاتِ حاضرہ اور معاشرتی مسائل کا کامیاب پیرایۂ اظہار بن گئی ہے۔
- بانگِ درا کے ابتدائی دور میں شاعر کی فکر پر نظریۂ وطنیت کا جو غلبہ تھا وہ بتدریج کم ہو کر ختم ہو گیا اور بالِ جبریل میں تو اقبال ملتِ اسلام اور اس سے بڑھ کر جمعیتِ اقوام کا شاعر بن گیا۔
- علامہ اقبال کے فکر کے بیشتر موضوعات مثلاً تصورِ عقل و عشق، نظریۂ خودی، عظمتِ آدم وغیرہ بالِ جبریل میں زیادہ وضاحت و صراحت سے موجود ہیں۔
- بانگِ درا کی نسبت بالِ جبریل میں تغزل، غنائیت و نغمگی، خوبصورت الفاظ و تراکیب کا انتخاب جیسے عناصر بڑھ گئے ہیں۔

حاصلِ بحث یہ کہ بالِ جبریل کا کلام بانگِ درا کی نسبت فکری و فنی محاسن کے اعتبار سے برتر ہے۔ کیوں نہ ہو۔ ایک طرف مشقِ سخن کی ابتدا و ارتقا ہے اور دوسری طرف فکر و فن کا نقطۂ کمال۔ ایک طرف نو آموز مبتدی ہے اور دوسری طرف ایک پختہ کار فلسفی اور منجھا ہوا فنکار۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح بانگِ درا،عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن،ص ۳

(۲) عبدالقادر، شیخ، دیباچہ بانگِ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸

(۳) غلام رسول مہر، مطالبِ بانگِ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص ۳

(۴) عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۳

(۵) غلام رسول مہر، مطالبِ بانگِ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص ۳

(۶) یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرح بالِ جبریل، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، س، ن، ص ۳

(۷) صدیق جاوید، ڈاکٹر، اقبال نئی تفہیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۲۰۰۱

(۸) سید عبداللہ، ڈاکٹر، مسائلِ اقبال، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۰

(۹) حسن اختر ملک، اطرافِ اقبال، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۴۶

(۱۰) عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبالِ کامل، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۰

(۱۱) سید جابر علی، سید پروفیسر، اقبال کا فنی ارتقا، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۷

(۱۲) عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۲۴۰

(۱۳) عبدالمجید سالک، مولانا، ذکرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۲۹۸

(۱۴) وقار عظیم، سید، اقبال شاعر اور فلسفی، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۷۵

(۱۵) صدیق جاوید، ڈاکٹر، اقبال نئی تفہیم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۶۸۱

(۱۶) محمد طاہر فاروقی، سیرتِ اقبال، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۷۸

(۱۷) عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال، سنگِ میل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۲۲۱۔۲۲۲

(۱۸) سید عبداللہ، ڈاکٹر، بحوالہ اقبال کا خصوصی مطالعہ، مرتبہ اے۔ ایم۔ خالد، علمی کتاب خانہ، لاہور، ص ۷۸

(۱۹) سعداللہ کلیم، ڈاکٹر، مضمون مشمولہ اقبال ریویو (سہ ماہی مجلہ)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۲۷

(۲۰) اے۔ ایم۔ خالد، اقبال کا خصوصی مطالعہ، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۵۲ء، ص ۳۶۸

(۲۱) عبدالغنی، ڈاکٹر، اقبال کا نظامِ فن، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۳

(۲۲) عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۵۵

(۲۳) عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۷

(۲۴) وقار عظیم، سید، اقبال شاعر اور فلسفی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۹